OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-4058
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 113-135

وحدت الشہود کا پس منظر اور تعارفی جائزہ

Background and Introductory Overview Of Wahdat Al-Shahud

Dr. Muhammad Qasim

Ex. Visiting Lecturer in Islamic Studies, Jaranwala Center,

Allama Iqbal Open University Islamabad, Pakistan

Prof. Dr. Matloob Ahmad

Dean Faculty of Arts and Social Sciences,

The University of Faisalabad, Faisalabad

Abstract

To eliminate the influence of Hindu philosophy, Sheikh Ahmad Sir Hindi published the doctrine of Wahdat al-Shahud. He wanted to protect Muslims and Muslim Sufis from Hindu influence. In Wahdat-ul-Wujud, these people united God and man by presenting new ideas like transmigration, reincarnation, resolution and unity. While Hazrat Mujadadi Al-Thani instead of God and man being one, he clarified the difference between the Creator and the creature, that God and the universe are separate. The whole universe is not made by God but by God. The entire universe bears witness to the oneness of this Self. This is the doctrine of Wahdat al-Shahud.

Keywords: Background, Introductory, Wahdat Al Shahud, Quran and Hadith

ہندو فلسفہ کے اثر کو ختم کرنے کے لیے شیخ احمد سرہندیؒ نے نظریہ وحدت الشہود کی اشاعت کی۔ وہ مسلمانوں کو اور مسلم صوفیاء کو ہندو اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وحدت الوجود میں ان لوگوں نے آواگون، تناسخ، حلول اور اتحاد جیسے نئے نظریات پیش کر کے خدا اور انسان کو ایک کر دیا تھا۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ خدا اور انسان کو ایک ہونے کی بجائے ان کا فرق واضح کر کے خالق و مخلوق کی

پہچان کرائی کہ خدا اور کائنات الگ الگ ہے۔ تمام کائنات خدا نہیں بلکہ خدا سے بنی ہے۔ تمام کائنات اس ذات کے ایک ہونے کی گواہی پیش کر رہی ہے۔ یہی نظریہ وحدت الشہود ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ طلوع اسلام کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کے الہامی پیغام کو برصغیر ہندوستان میں پھیلانے کے لیے صوفیاء کرام اور علمائے مشائخ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ قرون اولیٰ کے زمانہ میں مسلمان لشکر اور تاجر جہاں جہاں پہنچے ہیں۔ وہاں وہاں بزرگان دین بھی پہنچے۔ اسلامی الہامی فکر و نظر کو سمجھنے کا پیغام اور دعوت اسلام کی ابتداء تو حضور اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ جب پیغمبر اسلام نے اپنے قاصدوں کے ذریعے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو قبول اسلام کی دعوت دی۔

اس پیغام کی مہک درس انسانیت کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا۔

((یاایھا الناس ان ربکم واحد وان ابا کم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی الا عجمی علی عربی ولا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔))[۱]

"اے لوگو! بے شک تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ آگاہ رہو کسی عربی کو عجمی پر اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام اور کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ تم میں اللہ کے نزدیک مستحق وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قریب اور مستحق وہ ہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

مزید فرمایا:

((الا لیبلغ الشا ہد الغائب فلعل بعض من یبلغ ان یکون اوعی لہ من بعض من سمعہ)) [۲]

"سنو جو موجود ہیں۔ وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں۔ جو موجود نہیں ہو سکتا ہے کہ جن کو یہ باتیں پہنچیں۔ ان میں سے کچھ ان کی بہ نسبت ان کو زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والے ہوں۔ جنہوں نے براہ راست مجھ سے سنی ہیں۔"

برصغیر ہندوستان میں اسلامی طرز فکر سے آگہی تو عرب دنیا سے مسلمان تاجروں کی آمد اور تبلیغی مشن کی شکل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شروع ہو گئی تھی۔ لیکن صحیح اسلامی اثرات آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کی شکل میں سامنے آئی۔ اس سے قبل ساتویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا اور ایران کی جانب سے آنے والے اسلامی اثرات کے تحت افغانستان مکمل طور پر اسلامی حریت اور غیرت کے حوالے سے قبول اسلام سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب دنیا میں حجاج بن یوسف کے زوال کے بعد شروع ہونے والی سیاسی کش مکش کے باعث محمد بن قاسم کی ہندوستان سے واپسی سندھ اور ملتان میں ادھورا رہ جانے والے اسلامی مشن کے باعث ہندوستان میں نئے اسلامی اثرات کچھ توقف کے بعد افغانستان سے بھی آئے۔

ہندوستان میں ذات پات اور مظاہر فطرت کی پرستش کرنے والے ہندو معاشرے میں اونچ نیچ اور جاتیوں کے حوالے سے برہمنوں کی بالا دستی قائم ہو جانے کے باعث معاشرے کے نچلے طبقوں میں ہندوستان کی ہندو آبادی کا ایک بڑا حصہ بنیاد انسانی اور مذہبی حقوق سے محروم رہا۔

"برہمنوں نے انسانی مساوات کے نظریہ کو مسترد کرتے ہوئے ذات پات کا پہلا نظام نافذ کر دیا۔"(۳)

چنانچہ جب مسلمان کے ہمراہ انسانی مساوات کے علم بردار ایک فعال اسلامی معاشرے کی ہندوستان میں آمد ہوئی تو ہندو سماج کے ہندوستان پر تواتر سے حملہ آور ہونے والی فاتح اقوام کو اپنے اندر جذب کرنے کے عزم کے ساتھ صدیوں سے جاری ہندو برہمن رویات کے مطابق مسلمان فاتحین کو بھی خوش آمدید کہا۔ لیکن سماجی محاذ پر اسلامی نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ماضی کے ہندو روایات کے مطابق اسلامی تہذیب کی ہندو سماج میں جذب کرنے کی کوشش کی گئی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر مسلمانوں کے شہروں میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی تمنا ہے کہ اسلامی احکام بالکل دور ہو جائیں اور اسلام و اہل اسلام کا کچھ اثر نہ رہے۔ اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے۔ گائے کو ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا ایک ممتاز شعار ہے۔"(۴)

اکبر کا دین الٰہی اور بھگتی تحریکیں بھی اس ہندو سمت کی نشان دہی کرتی ہیں۔

جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ:

"اکبر نے بہت سے لوگوں کو اپنا بنالیا اور ان کو قابو میں بھی رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک ایسا مذہب جاری کر دیا جو تمام مذاہب کے عقائد پر مشتمل تھا۔ اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ تمام طبائع سے میل رکھا جائے۔"(۵)

بہر حال چونکہ مسلمان فاتحین ہندوستان میں ایک موثر ہندو سماج کی موجودگی میں اشاعت اسلام کے حوالے سے محدود چند مسلمان حکمرانوں کے سوا، سرکاری سطح پر کوئی مربوط پالیسی اختیار کرنے میں ناکام رہے۔ ہندو ذات پات کے ہتھیاروں سے مسلح اور ہزاروں دیوتاؤں کی پرستش کی پیچیدہ ہندو متھالوجی میں لپٹی ہوئی ہندو تہذیب کے دروازوں پر دستک دینے اور اسلامی درس انسانیت کو عوامی سطح تک پہنچانے میں علماء و مشائخ اور صوفیاء کرام نے ہی بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ ہندوستان میں دین اسلام کی ترقی مسلم صوفیاء کرام ہی کی بدولت ممکن ہوئی کیونکہ یہ خطہ پوری دنیا میں مافوق الفطرت جادوگروں کی وجہ سے مشہور تھا۔ چنانچہ جب ان کا یہ سحر مسلم صوفیاء کرام نے توڑ دیا پھر اس خطہ ارضی میں اسلامی کے فروغ کی راہ ہموار ہوئی۔ بلاشبہ جنوبی ایشیاء میں تصوف میں ملفوف صوفیاء کرام کی کوششوں کے باعث عوامی سطح پر تبلیغ اسلامی کا مشن کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

"حضرت مجدد کی تحریک احیائے اسلام حضرات فقہائے کرام و آئمہ عظام کے مسلک پر تھی۔ آپ نے تمام بدعات سے اور متاخرین کے استحسانات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مبارک طریقہ کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس کا قول بہ ظاہر شریعت مطہرہ کے خلاف پایا اس کی تاویل حسن کی ہے۔"(۶)

صوفیاء کرام کے دلوں کو موہ لینے والی تعلیمات کے باعث نہ صرف لاکھوں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بلکہ عوامی سطح پر ہندو متھالوجی اور اسلامی فکر کے درمیان بین المذاہب ڈائیلاگ شروع ہونے کے باعث ہندو ازم میں بھی بتدریج اصلاحی تحریکوں کی ابتدا ہوئی۔ گو کہ حقیقتاً ان تحریکوں کے باعث یہ مقاصد پورے نہیں ہوسکے یہ درست ہے کہ جہاں صوفیاء کرام نے اسلامی جذب و کمال کے حوالے سے ہندوستان آبادیوں کو ان کے مقامی رسم و رواج اور ہندو فکر و نظر کے حوالے سے متاثر کرتے ہوئے اسلام کی طرف مائل کیا وہاں طریقت کے تجربات کے حوالے سے صوفیاء کرام بھی نہ صرف مختلف سلسلوں میں تقسیم ہوئے بلکہ ہندو متھالوجی کے بہت سے ہندوانہ اثرات بھی شعوری یا غیر

شعوری طور پر کچھ صوفیاء کرام کے فکری تصور میں فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلافی فکری حوالے سے داخل ہوئے۔ لیکن بہر حال اصلاحی پہلو اپنی جگہ کسی نہ کسی حوالے سے متحرک رہا اور بعد میں آنے والے صوفیاء کرام نے بھگتی تحریکوں کو اسلامی فکر و نظر کے لیے خطرہ جانتے ہوئے اسلامی اصلاحی پہلو کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔

عالم انسانیت میں خدا تعالیٰ کا تصور تو ازل سے ہر قوم اور ہر علاقے میں رہا۔ اس کی متلاشی اور رضا جوئی کے ہر انداز میں مشاہدے کئے گئے ہر قوم اور ہر مذہب میں اسکی ذات کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے تفکر کیا جائے کہ جب ذات ایک ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ﴾(۷)

"اے محبوب ﷺ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔"

پھر اس ذات کے متعلق مختلف آراء کیوں ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ دیکھے اور جانے بغیر کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرات انبیاء اور رسل کی آمد صرف اس بات کی تشریح اور توضیح کرنا تھی اور لوگوں کو ذات کی حقیقت سے روشناس کرانا تھا۔ ہر قوم اور ہر مذہب کے مدبر، مفکر یا بزرگ عالم نے جو کچھ مذہب کے متعلق مفروضہ قائم کیا لوگ اسی کے درپے ہوگئے اور اسی کو اپنا مذہب حقیقی سمجھا کسی بھی دوسرے مذہب یا قوم نے اس میں دراندازی کی کوشش کی تو خون ریزی اور فساد کی ہی جڑ سمجھی گئی۔ حالانکہ یہ تمام لسانی، قومی اور نفس پرستی کے تعصب میں تھی۔ جہاں ہر مذہب کے مفکر نے اپنے درس اور مذہب کے متعلق مفروضہ قائم کیا تو وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور تربیت کے لیے کوئی ہادی اور راہنما بھی مبعوث فرمایا۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۸)

انہوں نے موقع زمانہ اور ضرورت کے مطابق توحید حق کو قائم کرنے کے لیے سعی جمیلہ کی۔ تاہم لوگ اکثر اپنی قوم اور لسانی تعصب کی بناء پر اپنے فرضی دین پر ڈٹے رہے۔ تاہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ پاک تک یہ بات واضح طور پر مسلم ہوئی کہ کوئی ہے جس کی عبادت کا ملکہ ہر فرد میں موجود ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا وجود تسلیم کیا گیا۔ حضرات انبیاء و رسل کی تعلیم ہی تھی۔ قیام کائنات بھی اسی کے ساتھ ہے۔ جس کی عبادت کا ملکہ ہر شخص کے اندر موجود ہے اور واضح کرنا مقصود تھا کہ ذات الوجود

نہیں جو ہمہ قسم کے عیوب تعطل اور تشکیک سے مبرا ہے۔ دوسرے الفاظ میں واجب الوجود ہے۔ واجب الوجود کا وجود واجب ہے۔

﴿ذٰ لِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾(۹)

غرضیکہ ہر قوم میں یہ تسلیم کیا گیا کہ ذات واجب کا وجود ہے۔ ابتداً ہر ایک نے ذات کے پانے کی طرف توجہ کی مگر رفتہ رفتہ نفسانی خواہشات کی بناء پر عقائد میں بگاڑ پیدا ہوتا گیا۔ اور مقصود سے دور جا بیٹھے۔ بعض نے تو اغیار کو خدا سمجھا اور بعض نے نیابت کا درجہ دے کر عبادت میں مگن ہوئے۔ یہاں تک کہ انسانیت درجہ جوانی کو پہنچی اور ہر طرف ہر مذہب میں ذات واجب الوجود بحث و مباحث ہونا شروع ہوئے۔ یہی سبب جنگ و جدال کا سبب بھی بنا رہا تو یہاں تک کہ نوید ابنیاءؑ دعا ابراہیمؑ، سید الانبیاء ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں کے لیے صحیح راستہ متعین فرمایا۔ صراط مستقیم کی راہ عطا کو حصول مقصود کے لیے تمام رسومات کو ہٹا کر تصور اسم اعظم عطا فرمایا اور ذات خدا کی معرفت سے روشناس کرایا۔

اصل میں یہاں یہ دیکھنا مقصود ہے کہ دین اسلام اس موضوع پر کیا فکر دیتا ہے۔ قرآن پاک جیسی آفاقی کتاب نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ صرف ذات واجب ہے اور جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے یہ اسی کے مظہر ہیں۔ اول و آخر، ظاہر و باطن ایک ہی ہے۔

جیسا کہ قران مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾(۱۰)

"وہ ہی اول وہی آخر وہی ظاہر اور وہ ہی باطن (پوشیدہ) ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾(۱۱)

"ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"

ایک جگہ پر یوں فرمایا گیا کہ:

﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾(۱۲)

"تم جدھر بھی منہ کرو تو ادھر اللہ کی ذات ہے۔"

اس کے علاوہ بہت سارے مقامات پر نظریہ وحدت الوجود کو پیش کیا گیا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہمہ اوقات ہمہ اوصاف حاضر و موجود جان کر ہمیشہ اشیاء کے مشاہدہ انوار میں مستغرق ہے۔ یہ بات سینہ باسینہ چلتی رہی اور اس کو ان طریقوں سے منظر عام پر نہ لایا گیا کہ جس طریقہ سے کسی ابتدائی مرحلہ کو حضرت انسان کے لیے پیش کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلووں سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر صحابی آپ ﷺ کی ذات پہ جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(۱۳)

"آپ ﷺ جو بھی بات کرتے ہیں اللہ کی رضا کے بغیر نہیں کرتے۔"

دین اسلام میں سب سے پہلے جو اس حقیقت کو منظر عام پر کتابی شکل میں لائے وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہیں۔ آپ کی اس موضوع پر بہت ساری تصانیف ہیں۔ مثلاً فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، تفسیر القران الکریم اور شجرہ الکونین وغیرہ۔ آپؒ کے نظریہ کو "ہمہ اوست"(۱۴) کا نام دیا گیا۔

نظریہ وحدت الوجود نہ صرف اپنے مریدوں میں بیان کیا جاتا بلکہ حجابات نفسانی و بشری اٹھانے کی تربیت بھی دی جاتی، تقویٰ اور پرہیز گاری کو کمال بخشا جاتا اور توحید کامل سے قلوب کو منور کیا جاتا۔ تاہم کسی بھی فقیر پر اعتراضات کا اتنا جمگھٹا نہیں ہوا تھا جتنا کہ دین عربی پر۔ وجہ یہ تھی کہ معاصرین علماء میں کچھ اسی طرح کے بھی پیدا ہو گئے تھے جو نظریہ وحدت الوجود کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ان میں کچھ تو حضرت موصوف کی علمیت اور بزرگی کے معترف تھے اور بعض نہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ابن عربیؒ کے مخالفین اور موافقین کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن عربیؒ کی شخصیت اور ان کا نظریہ وحدت الوجود بحث و مباحثہ کا خاص موضوع بن گئے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر ہندوؤں کے نظریات تناسخ و حلول اور آواگون جڑ پکڑنے لگے اور اکبر بادشاہ نے الحاد کا نظریہ اختیار کر لیا۔ جو کہ نئے دین کی بنیاد بننے لگا تو اس دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنا نظریہ وحدت الشہود بیان کیا۔ جس کو "ہمہ از اوست"15 بھی کہتے ہیں۔

اس نظریہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر شہنشاہ کے دور میں پیش کیا۔ جو کہ بہت مقبول ہوا اس لیے کہ وحدت الوجود کی تفہیم عوام و صوفیاء کم علم میں ناقص و خام نظر آنے لگی۔ وحدت الشہود کے مطابق وجود کائنات اور ظہور آثار و صفات مختلف واحد مطلق کی ذات و صفات کا ظل و عکس

رکھتی ہے۔ جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے۔ یہ نظریہ صوفیاء مابعد اور بالخصوص مجددیہ، نقش بندیا صوفیاء میں بہت مقبول ہوا۔ عہد شاہ جہانی و عالم گیر میں تصوف و عرفان سے منسلک ہونے والوں میں تذبذب و تشکیک کا مادہ پیدا ہو گیا۔ دونوں نظریات پر مباحث ہونے لگے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وجودی نظریہ کو گرفت میں لے لیا اور شہودی نظریہ پیش کیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وجودی اور شہودی دونوں نظریات سالک یا طالب کے درجات مقامات سے متعین ہیں۔ جو فقیر مقام فنا فی اللہ پر پہنچا وہ وجودی فلسفہ یا نظریہ کے تحت ان مقامات کی سیر کرنے لگا جہاں احدیت ہے اور باقی سب کچھ فنا کر دیا۔ اسی طرح جو سالک یا طالب مرتبہ واحدانیت پر پہنچتا ہے اسے خالق و مخلوق، طالب مطلوب عاشق معشوق کا امتیاز نظر آتا ہے۔

﴿فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ۚ﴾(۱۶)

اصل میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے اندر جو بڑے بڑے فتنے اٹھ رہے تھے اور ان فتنوں میں جو سب سے بڑا فتنہ تھا وہ دین اکبری کا فتنہ تھا۔ ان سب کو روکنا تھا۔ کہ جنہوں نے پوری قوم کو پورے ہندوستان کو، پوری ملت اسلامیہ کے تمام لوگوں کو اٹھا کر ایک فتنے کی نظر کر دیا اور انہیں ایک الحاد کی آگ میں جھونکنے کی کوشش کی گئی۔ اس دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تعصب، جنگ و لڑائی یا نفرت کے راستے کو اختیار نہیں کیا۔ حالانکہ آپؒ کی تحریک مزاحمتی نوعیت کی تھی۔ لیکن پھر بھی آپؒ نے علم کے ذریعے، دلیل کے ذریعے اور روحانی تصرفات کے ذریعے اس تحریک اکبری کا سر کچلا اور اس تحریک کو ناکام کیا۔ علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ:

حاضر ہو امیں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار(۱۷)

جب آپؒ کو دربار جہانگیر میں بلایا جاتا ہے تو آپ وہاں پر آداب سلطنت کی کوئی رعائیت نہیں کرتے ہیں نہ ہی اس کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپؒ بادشاہ کو سجدہ کرلیں تو آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی ہم ضامن ہیں۔ لیکن آپؒ نے فرمایا:

"یہ حکم بہ طور رفعت ہے اور بہ طور عزیمت حکم یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ نہ کریں۔"(۱۸)

روضتہ القیومیہ میں کچھ اس طرح لکھا ہے:

"جب بادشاہ کو اندازہ ہو گیا کہ آپؒ کسی طرح اس کو سجدہ نہیں کریں گے تو کہا اچھا آپ کا سجدہ صرف اتنا ہے کہ سر کو ذرا خم کر دیں باقی آداب میں نے معاف کر دیئے کیونکہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے اور یہ میری زبان سے بات نکل گئی ہے۔ اس کو پورا ہونا چاہیے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس بات کے لیے سر بھی نہ جھکاؤں گا۔ بادشاہ نے اپنے مقربین سے کہا کہ شیخ صاحب کے سر کو پکڑ کر ذرا جھکا دو اور پھر ان کو تحفے اور انعام دے کر رخصت کر دو۔ کیونکہ ان سے شرم آتی ہے چنانچہ قوی ھیکل امراءنے حضرت کے سر مبارک کو خم کرنا چاہا اور بہت زور لگایا کہ کسی طرح ذرا خم کر دیں۔ لیکن ممکن نہ ہوا۔۔۔۔ بعد ازاں بادشاہ نے کہا اچھا شیخ صاحب کو چھوٹے دروازے سے جو قد آدم سے چھوٹا تھا لے کر آؤ اس سے گزرتے وقت سر جھکانا ہی پڑے گا لیکن حضرت نے اس دروازے کے لیے پہلے اپنا قدم نکالا اور پھر سر کو پچھلی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ شیعہ وزیر نے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اور بھڑکایا کہ شیخ صاحب جب آپ کے حضور میں اس قدر تکبر کرتے ہیں تو باہر نکل کر نہ جانے کس قسم کی شورش کا موجب ہوں۔ ایسا موقع پھر ہاتھ تو نہیں آئے گا۔ شیخ صاحب کو ابھی قید کر لیں۔ ورنہ بعد میں بڑی پریشانی ہو گی اور اس وقت پچھتانا کچھ مفید نہیں ہو گا۔ آخر بادشاہ شیعہ وزیر کے اصرار کرنے پر حضرت کو قید کرنے پر رضامند ہو گیا اور گوالیار کے قلعے میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔"(۱۹)

قلعہ گوالیار کی نظر بندی کے دوران آپؒ کے بارے میں مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جب حضرت قلعہ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم قیدی بھی تھے۔ آپ نے ان کو تبلیغ دین کر کے مشرف بہ اسلام کیا اور سینکڑوں قیدیوں کے ارادت سے سرفراز فرما کر درجات ولایت پر پہنچا دیا۔"(۲۰)

جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا گیا تو مکتوبات شریف کا دفتر دوم کو اس واقع کی یادگار کے طور پر ختم کر کے مکمل کر دیا گیا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبر دار(۲۱)

وہ شیخ مجددؒ تھے جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین کی ڈیوٹی لی اور اپنے دین کے اندر اس فتنے کو کچلنے کے لیے ان کی راہنمائی میں اس قوم نے وہ معرکہ سر کیا اور پھر علامہ اقبالؒ کے مطابق کہ شیخ مجددؒ نے تحریک کا سر کچل دیا اور اسی تحریک کو ناکام بنا دیا۔ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

تخم الحاد سے کہ اکبر پر ور ید
باز اندر فطرت دارا د مید
شمع چل درسینہ ہاروشن نبود
ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالم گیر را
آں فقیر صاحب شمشیر را
ازپئے احیائے دین مامور کرد
بر تجدید یقین مامور کرد(۲۲)

"اکبر نے الحاد کے جس بیج کو بویا اور اس کی نشو و نما کی اس نے دارا شکوہ کی فطرت سے سر نکالا۔ سینوں کے اندر دلوں کی شمع بجھ چکی تھی اور ہماری ملت اسلامیہ کو فساد کا خطرہ پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں عالم گیر کو منتخب فرمایا۔ وہ عالم گیر جو فقیر صاحب شمشیر تھا اور اسے احیائے دین و تجدید ایمان کے لیے مامور فرمایا۔"

الحاد کا وہ بیج جو اکبر نے ہندوستان کی زمین کے اندر کاشت کیا تھا۔ اکبر کے اس جھوٹے دعوے کیے جانے کے بعد اکبر کے پڑپوتے دارہ شکوہ کی شکل میں وہ فتنہ بر سر اٹھاتا ہے کہ جب اسلام کو ویدانت کے قریب لانے کی کوشش کی جاتی ہے اور قرآن اور ویدوں کو برابر کی سطح پر پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اور ہمیں یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ویدوں اور قرآن کے اندر کن باتوں کی مماثلت ہے اور کیا کیا ہم آہنگیاں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کاموں کو روکنے کے لیے اورنگ زیب عالم گیر اور حضرت سلطان باہوؒ سر اٹھاتے ہیں۔ اکبر اور اس کے جانشینوں کی کوششوں کو برباد کر دیتے ہیں۔

وحدت الشھود کا تعارف

گیارہویں صدی ہجری میں جناب حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شیخ اکبر کے وحدت الوجود کے

عقیدے کی تردید کی۔ شیخ اکبر ابن عربی کا استدلال یہ تھا کہ ذات کی صفات عین ہے۔ کائنات صفات کی تجلی ہے اور چونکہ صفات عین ذات ہیں۔ اس لیے کائنات بھی عین ذات ہے۔ اصل میں صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود فی ذاتہ کامل ہے۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے صفات احتیاج نہیں ہے۔ صفات اس کے وجود کے تعینات ہیں۔ وہ موجود ہے۔ لیکن اس کا وجود خود اسی کی ذات ہے۔ وہ سمعی ہے۔ اپنی ذات سے۔ وہ علیم ہے اپنی ذات سے۔ وہ بصیر ہے اپنی ذات سے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات نہیں بلکہ اس کی ذات کے اظلال ہیں اور تمام کائنات اللہ کی صفات کی تجلی کا نام نہیں بلکہ اس کی صفات کا ظل یعنی سایہ ہے۔ ظل کبھی عین نہیں ہوتا اور مظہر کبھی عین ظاہر نہیں ہوتا۔ اسے وحدت الشھود کہتے ہیں۔

وحدت الشھود کا معنی و مفہوم

وحدۃ: تنہائی(۲۳)

وحدت: ایک ہونا، یکتائی، توحید، اکیلا پن(۲۴)

شھود: شَہِدَ، شَہُودَ۔

حاضر ہونا، اطلاع پانا، گواہی دینا(۲۵)

اہل تصوف کی اصطلاح میں:

"وہ درجہ جس میں جلوہ حق بلکہ ہر شے عین حق نظر آئے۔"(۲۶)

وحدت الشھود کی وضاحت

وحدت الشھود سے مراد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز، ہر وجود اللہ تعالیٰ کی وحدت پر گواہ ہے۔ ہر وجود کی ذات ہے اور وہ قدرت کاملہ کی گواہ ہے۔ دنیا کی ہر چیز جو پیش نظر ہے۔ اللہ کا پرتو اور عکس ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں ذات واحد کی صفات موجود ہیں۔

"دنیا کی ہر چیز جو پیش نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پرتو ہے۔"(۲۷)

اس نظریے کے مطابق جب انسان مجاہدہ اور ریاضت سے تدریجاً روحانی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے تو وہ خدا کی ہستی میں مدغم ہو جاتا ہے۔ تو وہ ہر چیز میں خدا کی جلوہ گری دیکھتا ہے ابو النصر انس فاروقی لکھتے ہیں کہ:

"توحید شھودی ایک ہی ذات کو دیکھنا یعنی سالک کو ایک ذات کے سوا کچھ شھود نہیں ہوتا۔ مشاہدہ میں ایک ذات کے سوا کچھ شھود نہیں ہوتا۔ مشاہدہ میں ایک ذات ہی نظر آتی

ہے۔"(۲۸)

محمد اشفاق چغتائی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"توحید شہودی حق تعالیٰ کو ایک دیکھتے ہیں اور غلبہ حال کے سبب، اس کے ماسوا کوئی نہیں دیکھتے۔"(۲۹)

تو پتہ چلا کہ توحید شہودی صرف ایک ذات کے مشاہدے کا نام ہے یعنی یہ کہ سالک کے مشاہدہ میں صرف ایک ذات ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ اس میں سالک ہر طرف اللہ تعالیٰ کے جلوے دیکھتا ہے۔

اسلام اور وحدت الشہود

قرآن و سنت حقیقت کا جو تصور پیش کرتے ہیں اس کا پہلا جز و ہے کہ اشیاء کا اپنا ایک وجود ہے۔ وہ اپنی مخصوص صفات اور خصوصیات کا حامل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اشیاء اور ان کی صفات و افعال کا خالق تو ہوتا ہے۔ مگر وہ ان کا حامل اور فاعل نہیں ہوتا۔ محض تخلیق کی بناء پر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں۔ قرآن و سنت کے مطابق اشیاء اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی، کامل بھی ہوتی ہیں اور ناقص بھی، خوبصورت بھی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔ اپنے اعمال کی وہ خود ذمہ دار ہوتی ہیں خدا نہیں۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾(۳۰)

قرآن و سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ اور انسان و کائنات دو جداگانہ وجود ہیں۔ انسان کا اپنا ایک علیحدہ تشخص ہے۔ اس کے افکار، عقائد، ارادے، اعمال، احساسات اور تجربات اس کے اپنے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق ضرور ہے مگر ان کا فاعل نہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ انسان کے اعمال دراصل خدا تعالیٰ کے اعمال ہیں۔ یا انسان کے افکار و تجربات اللہ تعالیٰ کے افکار و تجربات ہیں۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾(۳۱)

کائنات کی کوئی بھی چیز خدا کی ذات و صفات اور اس کے اختیارات میں شریک نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ بذاتہ خود موجود ہے اور کائنات بھی اس کی وجہ سے موجود ہے۔ وہ لامتناہی و ازلی، ابدی عالم الغیب والشہادہ، مالک، رب اور سمیع و بصیر ہے۔ اس کی ان صفات میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ وہ بے عیب اور ہر قسم کے نقص و کمی سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز ناقص و نامکمل ہے۔ ساری قوتیں اس

کے ہاتھ میں ہیں۔ تمام انعامات، کرامات اس کا عطیہ ہیں۔ تمام تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ وہی عظمت و جلال کا مالک ہے۔ کلی اطاعت اور خالص محبت کا وہی تنہا سزاوار ہے۔

﴿وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾[۳۲]

توحید فعلی یعنی یہ نظریہ کہ ہر فعل کا ایک ہی فعل اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کے پاس قدرت ہے نہ ارادہ اور نہ کوئی فاعل ہی ہے۔ مختلف صوفیاء کا پسندیدہ نظریہ رہا ہے۔ بعض صوفیاء توحید صفاتی کے بھی قائل ہیں۔ جس کی رو سے صرف ارادہ اور فعل بلکہ تمام انسانی صفات کا اصل محمول اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اکثر صوفیاء توحید فعلی اور توحید صفاتی کو راہ سلوک کی دو منزلیں قرار دیتے ہیں اور انہیں حال و شہود کی چیز سمجھتے ہیں۔ جبکہ وجودی صوفیاء ان کو شہود کی بجائے حقیقت پر محمول کرتے ہں۔ اصل میں توحید فعلی اور توحید صفاتی دونوں وحدت الوجود کے اجزاء ہیں اور خاص طور پر انہیں دونوں کی وجہ سے شیخ مجدد وحدت الوجود کے سخت ناقد ہیں۔

جمع و اتحاد تصوف کی آخری منزل نہیں ہے۔ نہ قرآن و سنت میں ان کا کوئی تذکرہ ہے۔ یہ اس تنزیہہ کے بھی منافی ہے۔ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت میں دی ہے۔ مزید یہ کہ جمع و اتحاد سلوک کا صرف ایک مرحلہ ہے۔ صوفی کو اس مرحلہ سے آگے جانا چاہیے اور خدا اور بندے کے درمیان جو دائمی فرق ہے۔ اس کا اثبات کرنا چاہیے۔ جمع و اتحاد کا تجربہ حقیقت کا ادراک نہیں۔ صرف ایک کیفیت کا نام ہے۔

﴿اِنَّ اللهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾[۳۳]

صوفی کو محض محسوس ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ متحد ہے۔ حقیقت میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب صوفی اس مرحلے سے گزر جاتا ہے تو اس کو بھی اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کائنات سے کلیتاً ماورا ہے۔

وحدت الشہود میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ظل اور سایہ ہے۔ اس ظل اور سایہ کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا ﴾[۳۴]

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سائے کو کس طرح پھیلایا ہے؟ اگر چاہتا تو اسے

ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا۔"

اور وحدت الشہود میں دوسری بات یہ تسلیم کی گئی کہ سالک جب ریاضت ومجاہدات کرتا ہے تو ان کے دوران یا مکمل ہونے کے بعد اسے ہر طرف خدا ہی نظر آتا ہے۔ یعنی سالک کی نگاہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے لگی رہتی ہے۔ لیکن اس عبادت کے کرنے کی کچھ شرائط ہیں جن کو اپنا کر وہ اپنے مقصد تک پہنچ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک شرط حدیث پاک سے ملتی ہے کہ وہ عبادت اس طرح کرے کہ مکمل اس کی توجہ عبادت میں ہو گویا وہ خدا سے باتیں کر رہا ہو اور خدا اسے دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

((الا حسان ان تعبد اللہ کانک تراۃ، فان لم تکن تراۃ فانہ یراک)) (۳۵)

"احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھے یہ کیفیت نصیب نہیں اور اسے نہیں دیکھ رہا تو کم از کم یہ یقین پیدا کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

اور وحدت الشہود کے حوالے سے حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ:

"نماز وہ ہے کہ سر سجدہ میں جائے تو خدا نظر آئے۔ جس سجدہ میں خدا نظر نہ آئے وہ سجدہ کہاں روا ہے۔"(۳۶)

آپؒ کے اس بیان سے وحدت الشہود کی تائید ہوتی ہے کہ سالک جب عبادت کرتا ہے تو عبادت کے دوران بھی اسے خدا ہی نظر آتا ہے اور اس بیان سے سابقہ حدیث کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نماز کیسے پڑھی جائے تاکہ حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہو سکے خدا کو دیکھ سکے اور خدا ہم کو دیکھ سکے۔

نظریہ وحدت الشہود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

شریعت کی اصطلاح میں توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔ ان تقاضوں کی تفصیلات شریعت میں بیان کی گئی ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع واتحاد کا تجربہ طریقہ نبوت کا جزو نہیں ہے۔ لیکن ایمان کا بیان قرآن وسنت میں آیا ہے اور کالم کی کتابوں میں اسکی تفسیر و تشریح کی گئی ہے، اس لیے جس حد تک یہ تشریح شریعت کا جز ہے اس حد تک اسے حقیقت کے متصوفانہ نظریے کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔ توحید کے لیے توحید شہودی کا لفظ استعمال

ہوا ہے۔ جس کے معنی صوفی کو اپنے روحانی تجربے میں صرف ایک ہی وجود کے شہود ہونے کے ہیں۔ یہ کیفیت جمع کی آخری منزل ہے۔

شیخ مجددؒ نے توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"توحید شہودی یکے دیدن است یعنی مشھود سالک جز یکے نباشد و توحید وجودی یک موجود دانستن است وغیر اور امعدوم انگاشتند باجود حدمیت مجالے ومظاہر آں یکے پنداشتن۔"(۳۷)

"توحید شہودی صرف ایک ذات کے مشاہدے کا نام ہے، یعنی یہ کہ سالک کے مشاہدے میں ایک ذات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں توحید وجودی اس اعتقاد کا نام ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات کا وجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شئے وجود نہیں رکھتی اور یہ کہ تمام اشیاء باوجود غیر موجود ہونے کے ایک ہی وجود کے مظاہر اور اشکال ہیں۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریہ وحدت الشہود سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور خدا کا وجود حقیقی وجود ہے۔ کائنات کا وجود محض ظلی ہے۔ اس کا خدا تعالیٰ کے حقیقی وجود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور پھر لکھتے ہیں کہ:

"توحید شہودی صرف ایک ہی ذات کے مشاہدے کا نام ہے لیکن اس مشاہدے کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ دوسری اشیاء موجود نہیں ہیں۔ دن میں ہم سورج کو دیکھتے ہیں لیکن ستاروں کو نہیں دیکھ پاتے۔ پھر بھی ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ستارے موجود نہیں ہیں۔"(۳۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک کے علم کا غلبہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے۔ مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا علم حاصل ہو گیا تو اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت نیست و نابود جانے۔ لیکن جب آفتاب کو دیکھے گا اس وقت ستاروں کو دیکھے گا۔ اور آفتاب کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا اور اس وقت بھی جبکہ ستاروں کو نہیں دیکھتا وہ جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں لیکن چھپے ہوئے ہیں اور سورج کی روشنی مغلوب ہے۔

نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

اصل میں نظریہ وحدت الوجود وہ نظریہ ہے جس کی وجہ سے ہندو لوگ مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے اور اس نظریہ سے غلط مراد لینے کی وجہ سے حضرت مجدد پاکؒ میدان جہاد و تحریک میں آئے۔ ہر طرف شرک وبدعات کا میدان گرم تھا ایسے مشرکانہ حالات و رسوم اور بدعقائد میں حضرت

مجدد پاک نے نظریہ وحدت الشہود پیش کیا کیونکہ وحدت الوجود کی جس طرح علمائے سو غلط تشریح کر رہے تھے اس وجہ سے حضرت مجددؒ نے اس کی اس طرح تنقید کی کہ تصوف کی صحیح ترجمانی ہو سکے اور شرک وبدعات کا خاتمہ ہو سکے۔

چنانچہ حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں کہ:

"یہ وہ لوگ ہیں جو مسند شیخی پر بیٹھ گئے تھے اور حضرات مشائخ کرام کے اقوال کی غلط اور گمراہ کن تشریح کر کے عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ اپ نے ان کے رد میں پر زور مکاتیب لکھے اور واضح کیا کہ یہ گمراہ حضرات مشائخ کے اقوال کو ملحد فلاسفہ کے طریقہ پر بیان کر رہے ہیں۔ آپؒ نے ان کی تشریحات کی قباحت و دقاحت کا بیان کیا۔ اور اگر بہ اعتبار اساس کے کہا جائے تو حضرت خواجہ نے الحاد اکبری کو مٹانے کی بنیاد رکھی اور اگر بہ اعتبار انجام کے کہی جائے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس الحاد کو نیست ونابود کیا ہے۔"(۳۹)

لہٰذا وحدت الوجود کے اس نظریے پر شیخ مجدد کی پہلی تنقید یہ ہے کہ:

"یہ نظریہ انبیاءؑ کے بیان کردہ تصور توحید کے منافی ہے۔"(۴۰)

انبیاء کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ وجود صرف ایک ہے، ان کی تعلیم ہے کہ خدا ایک ہے۔ انبیاءؑ یہ نہیں کہتے کہ خدا کے علاوہ کسی بھی چیر کا وجود نہیں وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ ابن عربی کے وحدت الوجود کے برعکس وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ کائنات کا اپنا وجود ہے اور یہ وجود خدا کے وجود سے مختلف ہے۔ خدا کائنات کی کسی بھی چیز میں شریک نہیں ہے۔ وہ کائنات سے کلیتاً ماوراء ہے۔ انبیاء جس مذہب کے داعی ہیں وہ خدا اور کائنات کی دوئی (اثنینیت) پر مبنی ہے نہ کہ ان کی عینیت پر۔ ان کا مذہب مخلوق کو خالق سے اور بندے کو رب سے الگ رکھتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ خالق ہی مخلوق ہے یا رب ہی بندہ ہے۔ ابنیائے کرام انسان یا دیگر مخلوقات کے علم وارادہ، قدرت اور فعل کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان کے اعمال وافعال کو خدا کی طرف محمول کرتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ کائنات میں صرف ایک ہی فاعل یا ایک ہی وجود ہے۔

ابن عربیؒ اور ان کے متبعین قرآن پاک کی مختلف آیات جیسے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾(۴۱)

"اور اے (نبی ﷺ) تو نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی آیات سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مذکورہ آیت کو ہی لیجئے، اس میں صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے عمل سے دشمنوں پر جو اثرات مرتب ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا نہ کہ آپ ﷺ کا۔ جہاں تک آپ ﷺ کے فعل کا تعلق ہے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ نفی صرف آپ کے فعل کے تنہا مؤثر ہونے کی کی گئی ہے۔

وحدت الوجود پر یقین رکھنے والے اصحاب قرآن و سنت کی تفسیر بالعموم اپنے نظریات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ لیکن اس میں سے بعض افراد جو دین کی گہری بصیرت رکھتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہؒ (1174ھ /1726ء) جو وحدت الوجود کے بنیادی تصورات کی ایک نئی تعبیر کر کے انہیں تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے:

"آن کہ کلام ایشاں را در مسائل وحدت وجود فرد می آرد ایشاں را نہ شناختہ است وراہ ایشاں راندانستہ "(۴۲)

"جو شخص انبیاء کے اقوال کی تفسیر وحدۃ الوجود کی روشنی میں کرتا ہے وہ نہ انبیاء سے واقف ہے نہ ان کے طریقہ سے۔"

ایک دوسرے مقام پر عام انسانوں کی زبان، جسے وہ "طور فطرۃ" کہتے ہیں، اور فلسفیانہ زبان میں تمیز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انبیاء عوامی زبان مین گفتگو کرتے ہیں نہ کہ وحدت الوجود کی زبان میں۔"(۴۳)

ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر شیخ مجددؒ کی دوسری تنقید یہ ہے کہ وہ اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔ مثلاً یہ نظریہ بت پرستی کے لیے جواز فراہم کرتا ہے:

"چونکہ یہ نظریہ کائنات کو خدا کا عین قرار دیتا ہے اس لیے کائنات کی کسی بھی چیز کی عبادت عین خدا کی عبادت قرار پاتی ہے، بشرطیکہ اس کی عبادت مظہر خداوندی سمجھ کر کی جائے۔"(۴۴)

عام طور پر بت پرست بھی اپنے معبودوں کی عبادت خدا کا مظہر سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نظریے کے اعتبار سے ہر چیز خیر بن جاتی ہے۔ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بری کیوں نہ وہ، وہ خیر مطلق کا ظہور ہے، اس لیے وہ بھی خیر ہے۔ اگر اس میں شر کا کوئی پہلو ہے تو وہ محض اضافی ہے۔ وحدت الوجود کے قائلین کفر والحاد کو بھی خیر کہنے سے گریز نہیں کرتے، انہیں صرف اسلام کے مقابلے میں شر کہتے ہیں۔ شیخ مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے:

"از اینجاست کہ هیچ چیز را قبیح نمی داند حتیٰ کہ کفر و ضلالت را بنسبت بایمان وهدایت بہ می دانند نہ نیست بہ ذوات خود۔"(۴۵)

"اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی چیز کو برا نہیں جانتے حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو بھی۔ وہ انہیں ایمان و ہدایت کے مقابلے میں برا کہتے ہیں، فی نفسہ برا نہیں کہتے۔"

"یہ نظریہ انبیاء کے مشن سے متصادم ہے۔ اس کی رو سے دعوت و تبلیغ فعل عبث ہے۔"(۴۶)

یہ نظریہ توحید فعلی کو بھی مستلزم ہے۔ چونکہ کائنات میں دو وجود نہیں اسلیے دو ارادے بھی نہی۔ یہاں جو بھی کام ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور اسی کے ارادے سے انجام پاتا ہے۔ شیخ مجددؒ کہتے ہیں کہ:

"وحدت فعل کے ساتھ حکم کرنا سکریات کی قسم سے ہے۔ بلکہ صریح حق یہی ہے کہ فاعل بے شمار ہیں اور افعال کا خالق ایک ہی ہے اور ایسے ہی وہ کلام ہے جو بعض صوفیہ نے توحید وجودی میں کہی ہے۔"(۴۷)

اس سے جبریت کے نظریے کو فروغ ملتا ہے اور انسان کی اخلاقی ذمہ داری کی نفی ہوتی ہے۔ شیخ مجددؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"واجب جل شانہ کی ماہیت اپنی خودی سے موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اور وجود کا اثبات اور وجوب کا اطلاق اس بارگاہ میں عقل کی منتزعات کی قسم سے ہے۔"(۴۸)

اور پھر لکھتے ہیں کہ:

"تعجب ہے کہ شیخ محی الدینؒ اور اس کے تابعدار حق تعالیٰ کی ذات کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور کسی حکم کے ساتھ اس کو محکوم علیہ نہیں جانتے ہیں اور باوجود اس کے احاطہ ذاتی اور قرب اور معیت ذاتی ثابت کرتے ہیں اور حالانکہ یہ حکم حق تعالیٰ کی ذات پر ہے۔"(۴۹)

اور ایک مکتوب میں اس طرح رقمطراز ہیں کہ:

"بعضوں نے الحاد اور زندقہ سے اس توحید وجودی کا دامن ہاتھ میں لیا ہوا ہے اور سب کچھ حق سے جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور اپنی گردنوں کو شرعی تکالیف کی رسی سے بالکل نکالتے جاتے ہیں۔ اور احکام شرعیہ کو بجالانے میں سستی کرتے ہیں۔"(۵۰)

وحدت الوجود پر شیخ مجدد کی تیسری تنقیدی بات یہ ہے کہ وجود کی وحدت کا نظریہ محض موضوعی فکر کا نتیجہ ہے۔ یہ نظریہ جس طریقے سے پیدا ہوتا ہے اور فروغ پاتا ہے، وہی اس کے

موضوعی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ تصور دو طریقوں سے پیدا ہوتا ہے۔ شیخ مجددؒ نے پہلے طریقے کے بارے میں لکھا ہے:

"جمعے را کثرت ممارست مراقبات توحید است تعقل معنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بلا موجود الا اللہ ظہور ایں قسم توحید بعد از تحمل و تامل و تخیل بواسطہ استیلائے سلطان خیال است کہ از کثرت مزاولت معنی توحید ایں معرفت در متخلیہ نقش بستہ است۔"(۵۱)

"ایک گروہ کے لیے اس کا سبب توحید کے مراقبات کی کثرت اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو لاموجود الا اللہ کے معنی میں لینا ہے، توحید کی اس قسم کا ظہور غور خوض اور تفکر کے ذریعہ ذہن پر اس تصور کے غالب کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ طویل مزاولت کے نتیجہ میں توحید کی یہ قسم قلب و دماغ پر چھا جاتی ہے۔"

دوسرے طریقے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"و جمعے دیگر را منشا توحید وجودی انجذاب و محبت قلبی است کہ ابتداء باذکار و مراقبات کہ خالی از تخیل معنی توحید است اشتغال نمودہ اند و بجد و جھد یا بمجرد سابقہ عنایت بمقام قلب رسیدہ اند و جذبے پیدا کردہ اند دریں مقام اگر بر ایشاں جمال توحید وجودی ظاہر شود سبب آں غلبہ محبت محبوب خواھد بود کہ ماسواء محبوب را از نظر شان مختفی ساختہ است و مستور گردانیدہ۔ وجوں ماسواء محبوب را نمی بینند و نمی یابند لاجرم جز محبوب را موجود نمی دانند، ایں قسم توحید از احوال است و از علت تخیل و شائبہ توھم پاک و مبرا"(۵۲)

"کچھ صوفیاء عشق و محبت کے راستے سے وحدت الوجود تک پہنچتے ہیں، اذکار و مراقبات کی ابتدا میں ان کا ذہن توحید کے اس تخیل (کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے) سے خالی ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی کوششوں اور خدا کے فضل سے مقام قلب تک پہنچتے ہیں تو اگر ان پر توحید وجودی کا جمال آشکارا ہوتا ہے تو محبوب سے غایت درجہ کی محبت سے ہوتا ہے جو ماسوائے محبوب کو اس کی نظر سے مخفی اور مستور کر دیتی ہے اور جب وہ ماسوائے محبوب کو دیکھ نہیں پاتا تو لامحالہ اس کے سوا ہر چیز کو غیر موجود سمجھتا ہے۔ توحید کی یہ قسم ایک حال اور کیفیت ہے اور تعقل کی پیداوار نہیں ہے۔"

وجود واحد کا عقیدہ کلمہ طیبہ کے مسلسل ورد سے پیدا ہو، یا خدا تعالیٰ سے گہرے عشق کا نتیجہ، بہر حال یہ راہ سلوک کا ایک مقام ہے۔ جب صوفی اس سے ایک قدم آگے جاتا ہے تو جمع کی جگہ فرق کا

شعور ابھرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ شعور اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ صوفی یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا عین نہیں بلکہ کلیتاً غیر ہے۔

وحدت الوجود پر شیخ مجددؒ کی چوتھی تنقیدی بات یہ ہے کہ تصوف کی تاریخ میں یہ نظریہ ایک نئی چیز ہے۔ ابن عربیؒ سے قبل کسی نے بھی اسے پیش نہیں کیا۔

"ان سے قبل صرف توحید شہودی تھی نہ کہ توحید وجودی۔"(۵۳)

شیخ مجددؒ کا یہ تبصرہ بحیثیت مجموعی صحیح ہے۔ ابتدائی عہد کے صوفیاء جیسے ابراہیم ابن ادہم (م140ھ/757ء) وغیرہ معروف معنوں میں صوفی نہیں تھے بلکہ عابد و زاہد تھے۔ صحیح معنوں میں تصوف کا باقاعدہ آغاز ابویزید بسطامیؒ (م241ھ/855ء) ذوالنون مصریؒ (م277ھ/890ء) اور ابو سعید خرازؒ (م277ھ/890ء) سے ہوتا ہے۔ ان حضرات نے فنا، بقا، جمع اور فرق کے تجربات کئے اور ان تجربات وواردات کو بیان بھی کیا، تاہم انہوں نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ ان کو کن معنوں میں لیتے تھے۔ انہوں نے روح کی حقیقت یا خدا اور کائنات کے تعلق پر بھی گفتگو نہیں کی۔ روح اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کے درمیان غور و فکر کا آغاز شیخ جنید بغدادیؒ (م297ھ/909ء) سے ہوتا ہے۔

بہر حال وحدت الوجود کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ کے طویل مواعظ علاؤالدولہ سمنانی کی تعلیمات پر مبنی تھے۔ لیکن وحدت الوجود اور وحدانیت کے رجحانات سے ٹکرا کرنا کام رہ گئے۔ جو اس زمانہ کے مسلمانوں کی معاشرت میں نفوذ کر گئے تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اُس توحید کے مخالف تھے۔ جس نے اکبر کو معبود اور پیروں کو مسجود بنایا اور اباحیت تک پہنچایا اور یہ ایسی توحید تھی۔ جس نے لوگوں کو دین سے آزاد کر دیا۔ کیونکہ اب تک ہندو مسلم معاشرت کے ایک دوسرے سے قریب آجانے سے جہاں فنون لطیفہ میں ایک دوسرے کی مدد اور ترقی و ترویج ہو چکی تھی۔ وہیں ہندو فلسفہ مسلم صوفیاء میں ایک گہرا رنگ پھیلا چکا تھا۔ اب تک صوفیاء کے ہاں انسان اور خدا کے تعلق کا نام وحدت الوجود تھا۔

حوالہ جات وحواشی

1. احمد بن حنبل، امام "مسند احمد" لاہور، مکتبہ رحمانیہ، رقم 22391
2. صحیح بخاری، (کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع)، رقم الحدیث 4406
3. الازہری، پیر کرم شاہ "ضیاء النبی ﷺ" لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2015، ج اول، ص 219
4. شیخ احمد سرہندی، "مکتوبات امام ربانی"، (مترجم، مولانا قاضی، عالم الدین نقش بندی مجددی)، لاہور، اکبر بک سیلرز، دفتر اول، مکتوب 81
5. نہرو، جواہر لال "تلاش ہند"، لاہور، ادارہ تخلیقات، 1992، ص 336
6. ابوالحسن، زید فاروقی، شاہ "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" لاہور، ورلڈ ویو پبلشرز، 2019، ص 224
7. سورۃ الاخلاص 1:112
8. سورۃ الحدید 25:57
9. سورۃ الانعام 102:6
10. سورۃ الحدید 3:57
11. سورۃ ق 16:50
12. سورۃ البقرہ 115:2
13. سورۃ النجم 3-4:53
14. ابن عربی، شیخ اکبر محی الدین "فصوص الحکم" (مترجم مولانا عبد القدیر صدیقی)، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، س۔ن، ص 89
15. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 13
16. سورۃ الانعام 125:6
17. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "بال جبریل" لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1989ء ص 25
18. "حضرات القدس" ج دوم، ص 90
19. سرہندی، محمد احسان، مجددی "روضۃ القیومیہ"، (مترجم خواجہ کمال الدین) لاہور، اللہ والے کی قومی دوکان، 1335ھ، ص 180-179
20. محمد میاں، مولانا "ہند کا شاندار ماضی" دہلی، ولی پرنٹنگ پریس، 1365ھ، ص 252
21. بال جبریل، ص 27

22. محمد اقبال، ڈاکٹر "اسرار ورُموز" لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1991ء، ص222
23. بلیاوی، عبد الحفیظ "مصباح اللغات" ملتان، مکتبہ امدادیہ، س۔ن، ص934
24. "فیروز اللغات"، ص1473
25. لوئیس معلوف، "المنجد" لاہور، مکتبہ قدوسیہ، 2017ء، ص449
26. فیروز اللغات، ص901
27. ایضاً، ص1473
28. انس فاروقی، ابو النصر، "مشک مجددی" لاہور، نور الایمان پبلی کیشنز، 2019ء، ص57
29. محمد اشفاق چغتائی "اقبال کا تصور وجود شہود" لاہور، نستعلیق مطبوعات، 2007، ص49
30. سورۃ الصافات 180:37
31. سورۃ الذاریات 56:51
32. سورۃ القصص 88:28
33. سورۃ العنکبوت 6:29
34. سورۃ الفرقان 45:25
35. صحیح البخاری، (کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان)، رقم الحدیث:50
36. سلطان باہو "امیر الکونین" لاہور، مراۃ العارفین پبلیکشنز، 2015، ص335
37. مکتوبات، امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 43
38. ایضاً، مکتوب 43
39. ابو الحسن، زید فاروقی، مجددی، شاہ "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" لاہور، ورلڈ پبلشرز، 2019، ص111، 166
40. مکتوبات، امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 272
41. سورۃ انفال 17:8
42. "ہمعات"، ص64
43. شاہ ولی اللہ "التفھیمات الالھیة" حیدر آباد، 1997ء، ج دوم، ص267-266
44. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 272
45. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 234
46. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 272

47. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 30
48. مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب 14
49. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 13
50. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 43
51. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 291
52. ایضاً ، مکتوب 291
53. ایضاً ، مکتوب 272